

ادارہ تحقیقات اسلامی کی اسلامی معاشیات پر مطبوعات: تبصرہ و تجزیہ

حبیب الرحمن*

محمد اصغر شہزاد*

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ معیشت انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ دین اسلام اس کے بارے میں مکمل رہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ کھانا، پینا اور سکونت وغیرہ معاش کہلاتا ہے۔ ان فطرتی تقاضوں کے بغیر زندگی معدوم ہو جاتی ہے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی معاش کا وافر انتظام اور وسائل پیدا فرمادیے ہیں۔ البتہ ان وسائل کی تقسیم انسانی صواب دید پر چھوڑ دی گئی ہے۔ اب دنیا میں اگر کہیں معاشی ظلم اور نا انصافی نظر آتی ہے تو وہ وسائل معاش میں کمی کے باعث نہیں، بلکہ ان وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو قانون خداوندی کی آخری کتاب کے طور پر سرچشمہ ہدایت نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا۔ دین اسلام ہر موڑ پر انسانوں کے نفع و نقصان اور سود و زیاں کے بارے میں رہ نمائی کرتا ہے۔ زندگی کیا ہے؟ اس کو کیسے گزارنا ہے؟ کہاں سے کمانا ہے اور کہاں خرچ کرنا ہے؟ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟

ان سب سوالات کا جواب ہمیں اسلام کے معاشی نظام میں ملتا ہے۔ اسلامی معاشیات ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ معاشی قوتوں اور اداروں کو اسلامی اصولوں کے مطابق کس طرح چلایا جاسکتا ہے۔ مثلاً بینک کاری کو اسلامی بنیادوں پر کیسے لایا جاسکتا ہے یا موجودہ سودی نظام کو کیسے تبدیل کیا جائے جس سے سود کے بغیر ادارے، کاروبار اور معیشت چلتی رہے۔ اس حوالے سے اہل علم نے متعدد پہلوؤں سے علمی خدمات سر انجام دی ہیں جن میں شخصی

* چیئرمین شعبہ تربیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد -

(habib-rehman@iiu.edu.pk)

* لیکچرار شعبہ تربیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد -

(asghar.shahzad@iiu.edu.pk)

اور ادارہ جاتی دونوں سطحوں پر کاوشیں کی گئی ہیں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی میں اس حوالے سے بہت وقیع کام کیا جا چکا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں ادارہ تحقیقات اسلامی کی اسلامی معاشیات کے موضوع پر گیارہ وقیع مطبوعات پر تبصرہ و تجزیہ کیا گیا۔ ان میں دو کتابیں انگریزی، دو عربی اور ایک اردو زبان میں لکھی گئی ہے جب کہ ایک کتاب عربی سے انگریزی زبان میں ترجمہ کی گئی ہے، باقی پانچ کتب سلسلہ تراجم مصادر قانون اسلامی کے تحت لکھی گئی ہیں۔ مقالہ ہذا میں ان تمام کتب کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے، ان کی افادیت اور قابل اصلاح پہلوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مذکورہ کتب کے منہج و اسلوب کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے، جہاں مزید نظر ثانی کی ضرورت ہے اس کی صراحت کی گئی اور اسلامی معاشیات پر جو مزید پیش رفت ہوئی ہے اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور عربی اصطلاحات کی حواشی کے اندر وضاحت کی گئی ہے۔

ادارے میں اسلامی معاشیات کے حوالے سے شائع ہونے والی مطبوعات اردو، انگریزی اور عربی میں شائع ہوئی ہیں جن میں طبع زاد کتب، تراجم اور سلسلہ تراجم مصادر اسلامی قانون شامل ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	مدون / مترجم	زبان	سن اشاعت
۱.	بیمہ کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر حسین حامد حسان	عبدالرحیم اشرف بلوچ	اردو	۱۹۸۵ء
۲.	احکام شرکت	ڈاکٹر حافظ محمد یونس	ڈاکٹر حافظ محمد یونس	اردو	۱۹۹۱ء
۳.	ربو و مضاربت	ڈاکٹر نور محمد غفاری، ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، غلام مرتضیٰ آزاد، صدیق ارشد خلیلی اور عبدالرحیم اشرف بلوچ		اردو	۱۹۹۲ء
۴.	احکام وقف	غلام عبدالحق محمد	---	اردو	۱۹۹۹ء
۵.	احکام رہن، کفالہ و حوالہ	غلام عبدالحق محمد	---		۱۹۹۱ء
۶.	کتاب الأموال	ابو جعفر احمد ابن نصر الدراودی	---	عربی	۱۹۹۵ء
۷.	احکام بیع	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر منصور	---		۲۰۰۵ء
۸.	الوظائف الاقتصادية للدولة في الاسلام	پروفیسر ڈاکٹر احمد یوسف احمد الدریوش	---	عربی	۲۰۱۵ء
۹.	موخر ادا نیکیوں پر افراط زر کے اثرات شرعی نقطہ نظر	ڈاکٹر محی الدین ہاشمی	---	اردو	۲۰۱۴ء
۱۰.	Islam and Economic Development	Dr. M. Umer Chapra		انگریزی	۱۹۹۳ء
۱۱.	Islamic Law of Business Organization Partnerships	Prof. Imran Ahsan Khan Nayazee		انگریزی	۱۹۹۹ء

بیمہ کی شرعی حیثیت (۱۹۸۵ء) از ڈاکٹر حسین حامد حسان، مترجم عبدالرحیم اشرف بلوچ، ۱۹۸۵ء

معاشیات میں بیمہ کی اہمیت ناگزیر ہے، لغوی اصطلاح میں بیمہ کے لیے انگریزی زبان میں Insurance (انشورنس) کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور عربی زبان میں اس کو تأمين کہا جاتا ہے۔ ان تینوں الفاظ، یعنی بیمہ، انشورنس، تأمين، کے معنی ”یقین دہانی“ کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں ”بیمہ فریقین کے درمیان ایک معاہدے کا نام ہے جس میں ایک فریق (بیمہ کمپنی) دوسرے فریق (بیمہ کرانے والا) کے نامعلوم نقصان کے واقع ہونے پر ایک مقررہ رقم ادا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور اس کے بدلے دوسرا فریق ایک مقررہ رقم اقساط (پریمیم) کی شکل میں اس وقت تک ادا کرنے کا عہد کرتا ہے جب تک کہ وہ نامعلوم نقصان واقع نہ ہو جائے۔“

کاروبار بیمہ کی ابتدا ۱۴۰۰ء میں اٹلی کے تاجروں نے کی، سترھویں صدی عیسوی میں انگلستان میں بیماروں کی امداد کے لیے بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ اٹھارھویں صدی میں تاجروں نے اپنی انجمنیں قائم کیں اور تاجر برادری کا جو فرد کسی حادثے کا شکار ہو جاتا اس کی مشترکہ فنڈ سے مدد کی جاتی۔ تاہم انگلستان سے متعلق قدیم ترین بحری انشورنس کی تاریخ ۱۵۴۷ء بتائی جاتی ہے۔ بیمہ کی مختلف اقسام ہیں، جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔ زندگی کا بیمہ

۲۔ املاک کا بیمہ

۳۔ اعضا کا بیمہ

۴۔ ذمے داریوں کا بیمہ (مثلاً بچوں کی تعلیم اور شادی وغیرہ)

ایک شخص اپنی زندگی کا بیمہ کرانا چاہے تو اس کا طریق کاریہ ہے کہ بیمہ کمپنی کا ڈاکٹر اس کی حیات کا اندازہ کرتا ہے کہ یہ شخص اتنی مدت مثلاً بیس سال تک طبعی طور پر زندہ رہنے کے قابل ہے۔ اس کے مطمئن ہونے کے بعد بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کے درمیان ایک معاہدہ طے پاتا ہے۔ بیمہ دار جتنی رقم کا بیمہ کرانا چاہتا ہے اسے سالانہ اقساط میں تقسیم کر کے بالاقساط بیمہ کمپنی کو ادا کرتا رہتا ہے۔ ایک مقررہ مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے لواحقین کو شرائط کے تحت واپس کر دی جاتی ہے اور اصل رقم کے ساتھ مقررہ شرح فی صد کے حساب سے کچھ مزید رقم بھی دی جاتی ہے۔ اس رقم کا نام بونس (منافع) رکھا گیا ہے۔ البتہ شرعی نقطہ نظر سے اس میں موجود قباحتوں کی وجہ سے علماء اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں بیمہ کے حوالے سے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں بیمہ کا تعارف، خصوصیات اور اقسام کو ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

شارحین قانون، بیمہ کے نظریہ اور کاروبارِ بیمہ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے قول کے مطابق نظریہ بیمہ ایک ایسے تعاون کا نام ہے جسے بہت محنت سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ لوگوں کی ایک ایسی بڑی تعداد کے درمیان طے پاتا ہے، جس میں سے ہر ایک کو ایک ہی نوعیت کے خطرات کا سامنا ہے۔ اب اگر یہی خطرہ ان میں سے بعض کے لیے حقیقت واقعہ بن جائے تو باقی سب ارکان اس سے ٹھننے کے لیے تھوڑی تھوڑی قربانی دے کر ان سے تعاون کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ان بہت بڑے نقصانات کی تلافی کر دیتے ہیں جو ان میں سے بعض کو تباہی سے دوچار کر سکتے تھے لہذا بیمہ اچھے تعاون کی ایک عمدہ مثال ہے اور یہ نیکی و بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنے کے ضمن میں آتا ہے اس طرح وہ ایک دوسرے سے تعاون کر کے انہیں درپیش خطرات سے مشترکہ طور پر بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔^(۱)

اسلام نے باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کی خاطر جو عملی صورتیں جائز قرار دی ہیں وہ عطیات اور خیرات و صدقات ہیں جن میں تعاون کرنے والا کسی مالی معاوضے کے حصول کی نیت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علما کے نزدیک اس صورت میں بھی معاملات جائز ہیں، جب ان میں جہالت (لاعلمی) اور دھوکا بھی پایا جاتا ہو؛ اس لیے کہ جس شخص پر ان معاملات کے ذریعے احسان کیا جاتا ہے اس کے لیے ان سے وابستہ بھلائی کا مقصد فوت بھی ہو جائے تب بھی اسے اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، کیوں کہ اس نے اس احسان کے بدلے کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا۔ بخلاف معاوضہ والے معاملات کے کہ ان میں اگر طرفین کی طرف سے دیے جانے والے تبادلے کے مال میں سے ایک طرف کا معاوضہ کسی لاعلمی یا دھوکے کی بنیاد پر ضائع ہو جائے تو دوسرے فریق نے معاوضے میں جو خرچ کیا ہے وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے نقصان ہوتا ہے۔^(۲)

کتاب کے دوسرے باب میں کاروبارِ بیمہ کی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ایک باہمی ذمے داری کا معاہدہ ہے جو طرفین کو ذمے دار بنادیتا ہے۔ اس میں ایک فریق تحفظ فراہم کرنے والا ہوتا ہے اور دوسرا فریق جسے تحفظ فراہم کیا گیا ہے وہ اقساطِ بیمہ کی ادائیگی کی ذمے داری لیتا ہے جس کے بدلے میں فریق اول تحفظ فراہم کرنے کی ذمے داری قبول کرتا ہے، جس کی بنا پر یہ معاہدہ بیمہ، عقود معاوضات^(۳) میں شامل ہوتا ہے۔

۱- حسین حامد حسان، بیمہ کی شرعی حیثیت، مترجم: عبدالرحیم اشرف بلوچ (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۵ء)، ۱۰۔

۲- نفس مصدر، ۱۲۔

۳- عقود معاوضات سے مراد ایسے عقود ہوتے ہیں جن میں فریقین میں سے ہر ایک جو کچھ دوسرے کو ادا کرتا ہے اس کے بدلے میں کچھ وصولی بھی کرتا ہے جیسا کہ عقد بیع جس میں ایک فریق قیمت ادا کرتا ہے اور دوسرا فریق اس قیمت کے عوض مطلوبہ چیز فروخت کرتا ہے۔ اس کے برعکس عقود تبرعات میں ایک فریق دوسرے کو بغیر کسی بدلے کے مال دیتا ہے جس میں صدقات، خیرات، زکوٰۃ وغیرہ شامل ہیں۔

کاروبار بیمہ معاوضہ والے معاملات میں سے اس بنا پر ہے کہ ہر دو فریق یعنی تحفظ دینے والا اور تحفظ حاصل کرنے والا جو کچھ ادا کرتے ہیں اس کے بدلے میں کچھ وصولی بھی کریں گے۔ تحفظ دینے والا بدلے میں جو کچھ وصول کرتا ہے وہ بیمہ دار کی طرف سے ادا کی جانے والی بیمہ کی اقساط ہیں اور اس چیز کے بدلے میں جس کے دینے کا اس تحفظ فراہم کرنے والے نے وعدہ کیا ہے اور وہ ہے بیمہ کی رقم۔ اسی طرح بیمہ دار بدلے میں جو کچھ وصول کرتا ہے وہ بیمہ کی رقم ہے جو حادثہ پیش آنے کی صورت میں اُسے ملتی ہے۔ اور یہ رقم وہ اس چیز کے بدلے میں وصول کرتا ہے جو یہ خود ادا کر چکا ہے، یعنی بیمہ کی قسطیں۔^(۴)

کاروبار بیمہ میں موجود خرابیوں میں سے ایک بڑی خرابی غرر^(۵) ہے۔ علما کے نزدیک عقود تبرعات میں غرر لیسیر ہوتا ہے، جب کہ عقود معاوضات میں غرر کثیر ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

اس کاروبار کو مصر کے دیوانی قانون کے اس باب میں بیان کیا گیا ہے جیسے جوئے، شرط لگانے، اور زندگی بھر کے لیے مقرر کردہ آمدنی والے معاملات کے بعد دھوکہ کے معاملات کے بیان کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اور یہ سب کے سب غیر یقینی (احتمالی) یاد دھوکہ والے معاملات ہیں۔ کاروبار بیمہ کے غیر یقینی ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں فریقین میں سے ہر ایک یعنی تحفظ دینے والے اور تحفظ لینے والے کو معاہدہ کی تکمیل کے وقت معاوضہ کی اس مقدار کا علم نہیں ہوتا جو وہ (دوسرے کو) ادا کرے گا یا (دوسرے سے) وصول کرے گا۔ اس لیے کہ یہ تو اس خطرہ کے وقوع یا عدم وقوع پر موقوف ہوتا ہے جس سے تحفظ دیا گیا ہے۔ اور اس بات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (کہ حادثہ پیش آئے گا یا نہیں، یا کب پیش آئے گا)۔^(۶)

کاروبار بیمہ کی ایک اہم خصوصیت ایک طرفہ زبردستی کا معاہدہ بھی ہے، اس میں من مانی کرنے والا فریق بیمہ کمپنی ہوتی ہے، کیوں کہ وہ اس کے لیے ایسے قوانین وضع کرتی ہے کہ بیمہ دار اگر پالیسی لینا چاہتا ہے تو (اس پر تھوپی گئی) ان شرائط کو قبول کیے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض شرائط تو طبعی ہوتی ہیں، جب کہ بعض شرائط انتہائی ظالمانہ اور بیمہ دار کے مفادات کے لیے نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔

اس باب کی فصل دوم کے تحت بیمہ کے شرعی حکم کو ذکر کیا گیا ہے۔ چوں کہ معاہدہ بیمہ ان جدید معاہدوں میں سے ہے جن کا قدیم فقہی کتب میں کوئی وجود نہیں ملتا، لہذا اس کے شرعی احکام کے سلسلے میں عصر

۴- حسان، مصدر سابق، ۳۰۔

۵- فقہی اصطلاح میں غرر سے مراد کسی ایسی چیز کی فروخت ہے جو ابھی دست یاب نہ ہو یا جس کا نتیجہ معلوم نہ ہو یا کوئی ایسی فروخت جس میں بنیادی طور پر خطرے کا پہلو ہو اور بیچنے والے کی چیز کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ دست رس میں ہوگی یا نہیں؛ مثلاً دریا میں موجود مچھلی یا ہوا میں محو پرواز پرندے کی فروخت۔

۶- حسان، مصدر سابق، ۳۱۔

حاضر کے علما میں اختلاف ہے۔ بعض علما نے بیمہ کے کاروبار کو جائز قرار دیا ہے اور بعض نے اسے حرام ٹھہرایا ہے۔ جب کہ تیسرا نقطہ نظریہ ہے کہ بیمہ کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کا شرعی حکم الگ الگ ہے، کیوں کہ دلائل کے لحاظ سے سب اقسام کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔ ان تمام اہل علم کے دلائل کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

کاروبارِ بیمہ کے باطل ہونے کے دلائل

۱. فاضل مصنف نے احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ اور اہل ظاہر کی ذکر کردہ غرر کی مختلف صورتوں سے بھی استدلال کیا ہے۔ ابن حزم ظاہری نے غرر کی جو تعریف ذکر کی ہے اسے نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں کہ غرر کی صورت میں فریقین میں سے کسی ایک کو معاوضے کے حصول کا پختہ یقین نہیں ہوتا یا اسے معاوضہ کی مقدار معلوم نہیں ہوتی، یا اس کے حصول کی تاریخ وہ نہیں جانتا، فقہاء کی اصطلاح میں ایسے معاوضے کو مجہول اور دھوکے پر مشتمل معاوضہ کہا جاتا ہے۔ ان تینوں اقسام کے دھوکوں میں سے ہر ایک معاوضے کو باطل کرنے کے لیے تنہا کافی ہے اور جب تینوں قسم کے دھوکے اس میں جمع ہو جائیں تو پھر آپ خود ہی اس کا اندازہ لگا لیجیے۔^(۷)

۲. عقود معاوضات میں پایا جانے والا غرر، غریب نہیں بلکہ غرر کثیر ہے، اس حوالے سے شیخ الدیر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”معمولی ہونے کی شرط سے زیادہ دھوکا (اس کی تعریف سے) خارج ہو گیا، جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے اور دریا میں تیرتی ہوئی مچھلی کو فروخت کرنا؛ کیوں کہ اس طرح کا دھوکا بالاجماع معاف نہیں ہے۔“ کاروبارِ بیمہ میں جو دھوکا پایا جاتا ہے وہ شارحین قانون اور علمائے شریعت کے نزدیک بالاتفاق غرر (دھوکے) کے ضمن میں آتا ہے؛ اس لیے کہ معاہدہ کرتے وقت بیمہ دار کو قطعاً یہ علم نہیں ہوتا کہ آیا وہ بیمہ کی وہ رقم حاصل کر بھی سکے گا یا نہیں جس کے لیے اس نے اقساط ادا کی ہیں۔^(۸)

۳. بیمہ کمپنیاں جو کاروبار کرتی ہیں اس کے حرام ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کاروبار میں جو معاہدے ہوتے ہیں وہ معاہدات جو کہلاتے ہیں اور جو بالاتفاق حرام ہے، لہذا بیمہ بھی بالاتفاق حرام ٹھہرا۔ اس

۷۔ نفس مصدر، ۶۸۔

۸۔ نفس مصدر، ۱۰۰۔

معاهدے کے مطابق، ایک فریق کوئی متعین واقعہ پیش آنے کی صورت میں مقررہ چیز یا رقم ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے، جب کہ دوسرے فریق کا حق ایک غیر یقینی واقعے کے ساتھ مشروط ہوتا ہے جیسا کہ اس کا جوئے میں جیت جانا۔ ٹھیک اسی طرح کاروبار بیمہ پر جو اس کی تعریف صادق آتی ہے۔^(۹) جیسے بیمہ کمپنی یہ عہد کرتی ہے کہ وہ متعین کردہ حادثہ پیش آنے پر بیمہ کی رقم ادا کرے گی۔^(۱۰) ارشاد ربانی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾^(۱۱) (اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیرہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو۔)

۴. کاروبار بیمہ میں ربا کی دونوں قسمیں تین طرح سے (ربا الفضل اور ربا النسیہ) پائی جاتی ہیں، چوں کہ حادثہ پیش آنے پر بیمہ کمپنی جو رقم ادا کرتی ہے وہ یا تو اس رقم کے برابر ہوگی جو اس نے دی ہے یا کم یا اس سے زیادہ۔ اب اگر یہ رقم اس رقم کے برابر ہے جو پالیسی ہولڈر نے ادا کی تھی تو یہی ادھار کا سود کہلاتا ہے، اور اگر یہ رقم ادا شدہ رقم سے کم یا زیادہ ہے تو یہ ادھار اور اضافہ دونوں طرح کا سود ہوگا۔^(۱۲)

اس کے بعد باب سوم میں ان حضرات کا نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے جو بیمہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ فاضل مصنف نے انتہائی مدلل انداز میں ان کے اس موقف کی تردید کی ہے کہ کاروبار بیمہ معاوضہ نہیں بلکہ تعاون اور تبرع کا نام ہے اور کاروبار بیمہ میں غریب (معمولی دھوکہ) ہے اور اس کے علاوہ دیگر شبہات کا بھی دلائل کے ذریعے ازالہ کیا ہے۔ اس باب میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کاروبار بیمہ میں سود کی کون کون سی صورتیں پائی جاتی ہیں، ان پر کس قسم کے اعتراضات کیے جاتے ہیں اور ان کے جوابات کیا ہیں۔ کتاب کے آخر میں نتائج اور بحث میں لکھتے ہیں:

بیمہ کے نظریہ و نظام کی تطبیق و تحقیق کے لیے جو ذرائع و وسائل عملاً اختیار کیے جاتے ہیں ان سے صرف نظر کر کے اگر خود بیمہ کو باعتبار ایک نظام و نظریہ کے دیکھا جائے تو یہ کاروبار مکمل طور پر شریعت کے مقاصد سے مطابقت رکھتا ہے اور

۹۔ نفس مصدر، ۱۱۱۔

۱۰۔ نفس مصدر، ۱۱۲۔

۱۱۔ القرآن ۵: ۹۰۔

۱۲۔ حسان، مصدر سابق، ۱۱۶۔

خود شریعت ایسی سوچ اور فکر کی متقاضی ہے جیسا کہ ایک شارح قانون کہتے ہیں کہ بیمہ کا نظریہ ”صرف ایک ایسے تعاون کا نام ہے جسے بہت ہی باریک بینی سے لوگوں کی ایک ایسی بڑی تعداد کے لیے منظم کیا گیا ہے جنہیں ایک ہی نوعیت کا کوئی خطرہ درپیش ہو تا کہ ان میں سے کسی کے لیے اگر یہ خطرہ حقیقت کا روپ دھار لے تو سب مل کر اس کے مقابلے کے لیے معمولی سی مالی قربانی کی شکل میں ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اس طرح وہ ان نقصانات کی تلافی کر دیں جو ان میں سے کسی کے لیے مکمل تباہی کا سبب بن سکتا ہے“۔ ہمارے خیال میں بیمہ کے سلسلہ میں اس مفہوم کے اعتبار سے اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی خطرات کے نقصانات کی تلافی کو لوگوں کی ایک بڑی تعداد میں تقسیم کر دینے کے لیے تعاون و تضامن کے سلسلہ میں، بلکہ اختلاف تو ان وسائل و ذرائع کے بارے میں ہے جو اس نظریہ کو عملاً نافذ کرنے اور اس نظام کو لاگو کرنے کے لیے اختیار کیے گئے ہیں، ہماری مراد اس سے بیمہ کا وہ کاروبار ہے جو تجارتی کمپنیاں کرتی ہیں۔^(۱۳)

اسی باب میں فاضل مصنف نے بہت اہم نکات ذکر کر کے اپنے موقف کو واضح کیا ہے، ان کے چند نکات حسب ذیل ہیں:

۱. غرض و غایت کے جواز سے لازمی طور پر ضروری نہیں ہو جاتا کہ اس غرض و غایت کے حصول کے لیے ہر وسیلہ بھی جائز ہو۔ اس لیے کہ شریعت کے مسلمہ اصول میں سے ایک یہ ہے کہ جائز اور قانونی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے لیے وسائل و ذرائع بھی جائز اور قانونی ہوں اور حرام نہ ہوں؛ اس لیے کہ حرام ذریعہ اختیار کرنے کی صورت میں جہاں اس سے ایک جائز مقصد پورا ہو گا وہاں یہ کسی اور شرعی مقصد کے خاتمے اور زوال کا باعث بن جائے گا۔^(۱۴)
۲. شریعت اسلامیہ نے تعاون و تضامن کے لیے جو عملی طریقہ مقرر کیا ہے وہ معاملات عطیات ہیں جن میں قربانی دینے والا یا تعاون کرنے والا اپنے تعاون یا قربانی سے کسی قسم کا فائدہ نہیں حاصل کرنا چاہتا اور نہ ہی اس کا کوئی مالی معاوضہ چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ معاملات دھوکا اور جہالت (غیر متعین ہونا) پر مبنی ہونے کے باوجود جائز ہیں۔
۳. مقررہ قسط والا بیمہ اس تعاون و تضامن کے مقاصد کو پورا نہیں کرتا جسے اسلام نے جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ بیمہ کمپنیاں جو کاروبار کرتی ہیں وہ مالی معاوضہ والے معاملات ہیں جن میں دھوکا، جوا اور سود

۱۳- نفس مصدر، ۱۹۷-

۱۴- نفس مصدر، ۱۹۸-

شامل ہے اور معاوضے والے معاملات میں جب یہ عناصر شامل ہو جائیں تو وہ معاملات باطل ہو جاتے ہیں۔

۴۔ اگر شریعت اسلامیہ کو پوری طرح نافذ کر دیا جائے تو تعاون و تضامن اور اجتماعی کفالت کو مستحکم اور پائیدار بنیاد پر استوار کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اسلامی حکومتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اجتماعی بیمہ کاری کو وسعت دے کر اپنی مملکت کے ان تمام شہریوں کو اس میں شامل کر لیں جن کی آمدنی خطرات و حادثات کے بوجھ کو نہیں سہا سکتی، کیوں کہ اسلام کی نظر میں اسلامی مملکت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر ایسے شخص کو جو کام کرنے پر قادر ہے کام کے حصول کے مواقع فراہم کرنے کو یقینی بنائے اور جو کام کرنے سے معذور ہیں انہیں اتنی امداد فراہم کرے جو ان کے کھانے پینے رہنے اور لباس وغیرہ کی ضروریات کے لیے کافی ہوں۔ اس ضمن میں زکوٰۃ کی آمدنی کو استعمال کیا جاسکتا ہے اور اگر وہ پوری نہ ہو تو پھر حکومت امیر لوگوں پر ایسے ٹیکس لگا سکتی ہے جن سے فقیر اور محتاج لوگوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

بلاشبہ یہ کتاب موضوع کے اعتبار سے مفصل اور نہایت عمدہ تحریر ہے جس میں کاروبار بیمہ کے حوالے سے طرفین کے دلائل کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ کاروبار بیمہ کے جواز کے قائل علماء کے موقف پر ٹھوس دلائل کی بنیاد پر نقد کیا گیا ہے۔ معاشیات کے طالب علموں کے لیے ایک بہترین تحریر ہے۔ البتہ کتاب کے ترجمے میں بعض جگہوں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، کیوں کہ ترجمہ عام فہم معلوم نہیں ہوتا۔

اگرچہ مصنف نے بیمہ سے متعلق بنیادی مباحث، بیمہ میں پائے جانے والے حرام عناصر اور ان کا شرعی حکم ذکر کیا ہے تاہم بیمہ کا کوئی متبادل کاروبار اور اس کی کوئی عملی شکل ذکر نہیں کی گئی ہے۔ بعد کے ادوار میں علمی اور عملی اعتبار سے بیمہ کے شرعی متبادل یعنی تکافل پر بہت حد تک پیش رفت ہو چکی ہے۔ اس وقت پاکستان میں درج ذیل پانچ تکافل کمپنیاں عملی طور پر کام کر رہی ہیں:^(۱۵)

- پاک کویت تکافل
- پاک قطر جنرل تکافل

15- Federal Insurance Ombudsman Pakistan, "An Overview on Takaful Islam & Insurance-Historical Background" accessed 25 December 2017, <http://www.fio.gov.pk/art1.pdf>.

- تکافل پاکستان
- پاک قطر فیملی تکافل
- داؤد فیملی تکافل

ان کے علاوہ جیوبلی لائف (Jubilee Life) اور ای ایف یو (EFU) نے بھی ونڈو تکافل کا آغاز کیا ہے۔ یہ تمام تکافل کمپنیاں وکالہ وقف ماڈل کی بنیاد پر کام کر رہی ہیں، جب کہ ملائیشیا میں مضاربہ ماڈل استعمال کیا جا رہا ہے۔

احکام شریعت، سلسلہ تراجم مصادر قانون اسلامی، (۱۹۹۱ء) از ڈاکٹر حافظ محمد یونس

شریعت اسلامی میں کسبِ حلال کی بہت اہمیت ہے، بلاشبہ حلال کی طلب اور اس کی جستجو واجب، ضروری اور لازمی امر ہے۔ قیامت کے دن بندے کے قدم اس وقت تک ہل نہیں سکتے جب تک اس کے مال کے بارے میں نہ پوچھ لیا جائے کہ اس نے اسے کہاں سے کمایا ہے اور کن چیزوں میں خرچ کیا ہے؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حد سے آگے مت بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْفَرَكُمْ بِهِ ۚ مُؤْمِنُونَ﴾^(۱۲) (اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔) ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لَإِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾^(۱۳) (جو حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو۔) اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنْ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَّاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلَا

۱۲- القرآن ۵: ۸۸۔

۱۳- القرآن ۱۶: ۱۱۴۔

وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا إِنَّ حِمَى اللَّهِ فِي أَرْضِهِ مَحْرَمَةٌ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.^(۱۸)

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جو شخص مشتبہ چیز سے اپنا دامن بچالے تو اس نے اپنے دین اور عزت دونوں کو بچالیا، اور جو شبہات میں پڑ گیا تو اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو چراہ گاہ کے آس پاس اپنے مویشی چراتا ہو اور اس بات کا امکان ہے کہ اس کے مویشی اس چراہ گاہ میں داخل ہو جائیں۔ سنو! ہر ایک بادشاہ کی ایک چراہ گاہ ہوتی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی چراہ گاہ اس کی زمین میں حرام کردہ اشیائیں ہیں۔ سنو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگاڑ کا شکار ہوتا ہے۔ آگاہ رہو! وہ دل ہے۔

شریعت نے کسبِ معاش کے بہت سے حلال ذرائع واضح کیے ہیں جن سے رزق حلال کا حصول ممکن ہے، ان میں سے ایک کاروبار مشارکہ بھی ہے۔ صنعتی و تجارتی کاروبار میں جو لوگ کم سرمایہ دار ہیں یا بالکل سرمایہ نہیں رکھتے وہ بھی شراکت کے ذریعے باعزت رزق حلال کما کر سکتے ہیں۔ مشارکہ سے مراد ایسا عقد ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد باہم مل کر اس شرط پر کاروبار شروع کریں کہ وہ نفع و نقصان میں شریک ہوں گے۔

شرکت کی تعریف الشرح الصغیر میں کچھ یوں کی گئی ہے ”شرکت دو یا زیادہ مالکوں کے درمیان ملکیت کا تعین ہے۔“^(۱۹) شرکت کی مختلف اقسام اسلامی قانون کی قدیم کتب میں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ شرکت مفاوضہ^(۲۰) ۲۔ شرکت عنان^(۲۱)

۱۸۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی، صحیح البخاری، تحقیق: محمد زبیر بن الناصر، کتاب بدء الوحي، باب فضل من استبّرأً لدينه (بیروت: دار ابن کثیر، ۱۹۸۷ء)، رقم: ۵۲۔

۱۹۔ احمد بن محمد بن احمد الدردیر (م ۱۲۰۱ھ)، الشرح الصغیر مع حاشیة الصاوي علی أقرب المسالک إلى مذهب الإمام مالک (مصر: دار المعارف، ۱۳۹۳ء)، ۳: ۴۵۵۔

۲۰۔ جب دو یا دو سے زائد افراد مساوی سرمایہ کے ساتھ اور نفع و نقصان میں برابری کے اصول پر کسی کاروبار میں شریک ہوں تو اسے شرکت مفاوضہ کہتے ہیں۔

۲۱۔ شرکت عنان شرکت کی ایک قسم ہے جس میں سارے شریک سرمایہ لگاتے ہیں، جس کا برابر برابر ہونا ضروری نہیں اور سب مشترکہ منصوبے کے لیے کام کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس کاروبار میں نفع کی نسبت کوئی بھی طے کی جاسکتی ہے، البتہ نقصان سرمایہ کی نسبت سے برداشت کریں گے۔

۳۔ شرکت ابدان^(۲۲) — شرکت وجوہ^(۲۳)

شرکت چوں کہ ایک نہایت اہم معاملہ اور وقت کی ضرورت ہے اور اس وقت زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں شرکت کا دور دورہ نہ ہو۔ کاروبار کی متعدد صورتوں کا مدار اسی شرکت پر ہے، لیکن اس کا اصل مواد عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس کے مبادیات، جزئیات اور اصول و ضوابط سے آگاہ ہونا اکثر حضرات کے لیے ممکن نہیں۔ زیر نظر کتاب احکام شرکت ادارہ تحقیقات اسلامی کی انتہائی اہم کاوش ہے۔ جس میں چاروں فقہی مسالک کی ان چوبیس بنیادی کتب سے شرکت کے موضوع پر ابواب کا بڑی خوب صورتی سے ترجمہ کیا گیا ہے جو مستند، مسلمہ اور اہل علم میں غیر متنازعہ ہیں تاکہ موضوع کی تمام تفصیلات اور مختلف فقہاء کی آرا اور پیش آمدہ مسائل میں جزئیات کا وسیع ذخیرہ مل جائے۔ اس کتاب کی تالیف و تدوین میں فقہ حنفی کو بنیاد بنایا گیا ہے اور اس کی ترتیب علامہ کاسانی کی تصنیف بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع^(۲۴) کی طرز تحریر اور انداز بیان کے مطابق ہے اور مرکزی حیثیت بھی اسی کو حاصل ہے۔ تاہم کئی مقامات پر علامہ مرغینانی کی تصنیف الہدایۃ^(۲۵) کی ترتیب کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی، البتہ متعلقہ ابواب کا سلیس اور عام فہم اردو ترجمہ کیا گیا ہے تاکہ اصل متن اور حوالے کے ساتھ وضاحت ہو جائے۔^(۲۶) ایک ہی باب کو مختلف کتب فقہ سے

۲۲۔ اگر ہنرمندوں اور دست کاروں کا ایک گروہ مل کر اس طرح کاروبار کو چلائیں کہ لوگوں سے اپنے متعلقہ پیشے کے سلسلے میں کام لیا کریں اور جو نفع ہو اسے باہم تقسیم کریں اسے شرکت ابدان کہتے ہیں۔

۲۳۔ جب دو یا دو سے زائد افراد جو نہ کسی ہنر سے واقف ہوں اور نہ ان کے پاس سرمایہ ہو، لیکن اپنی ساکھ اور اعتماد پر لوگوں سے سامان تجارت لے کر منافع کمانے کی غرض سے کاروبار کریں، اور اس طریقے سے جو نفع ہو وہ آپس میں تقسیم کر لیں اسے شرکت وجوہ کہتے ہیں۔

۲۴۔ کتاب بدائع الصنائع کا پورا نام بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ہے۔ اس کے مؤلف علامہ کاسانی یا کاشانی (دونوں مستعمل) ہیں جن کا پورا نام علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی (۵۸۷ھ-۱۱۹۱ھ) ہے۔ یہ مذہب حنفی کی نمائندہ کتاب شمار کی جاتی ہے۔ اس میں فقہ حنفی کے موافق ہر مسئلے پر دلیل اور مذہب شافعی کے ساتھ موازنہ بھی موجود ہے۔

۲۵۔ الہدایۃ شیخ الاسلام برہان الدین امام ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی (۵۹۳ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ امام مرغینانی کی مشہور ترین کتاب ہے جو بدایۃ المبتدی کی شرح ہے۔ صاحب ہدایہ نے فقہ کی کتاب لکھی جس میں خصوصیت کے ساتھ قدوری کے مسئلے کو لیا اور جہاں مسئلہ نہ مل سکے، وہاں امام محمد کی کتاب الجامع الصغیر سے لیا۔

۲۶۔ حسان، مصدر سابق، ۲۳۔

مرتب کیا ہے۔ زیر نظر کتاب قانون اسلامی کا ایک اہم مصدر ہے، اس کے ذریعے قانون کے پیشے سے وابستہ افراد، تاجر طبقہ، بیکار اور ماہرین معیشت کو اسلامی قوانین و ضوابط سے متعلق فقہی مواد اردو زبان میں میسر ہو گیا ہے۔ الغرض یہ کتاب نہ صرف قانون اور معیشت سے وابستہ افراد بلکہ عام قاری کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔

ربو و مضاربہ، سلسلہ تراجم مصادر قانون اسلامی، (۱۹۹۶ء)، ربو و مضاربہ از ڈاکٹر نور

محمد غفاری، ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، غلام مرتضیٰ آزاد، صدیق ارشد خلجی، عبدالرحیم اشرف بلوچ
اسلام نے حصول معاش کے لیے کچھ قواعد و ضوابط مرتب کیے ہیں، کسی بھی شخص کو معاشی مسابقت میں آزاد نہیں چھوڑا کہ جب اور جس طرح چاہے مال حاصل کرے، بلکہ جائز ذرائع معاش کو اختیار کرنے کے لیے واضح احکام بتلائے ہیں۔ حرام ذرائع معاش میں سے سود قطعی طور پر حرام ہے، سود کو قرآن کریم نے سنگین گناہ قرار دیا ہے۔ شراب نوشی، خنزیر خوری، زنا کاری اور بد کاری وغیرہ کے لیے قرآن کریم میں ایسی سخت وعید نہیں آئی جیسی سود کے لیے آئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِمَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (۲۷) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود کا جو حصہ

بھی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو، اگر تمہارے اندر ایمان ہے اور اگر تم سود کو نہیں چھوڑو گے، تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور تیاری کرو! اس گناہ کی قباحت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے: ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيلِ الْمَلَأِكَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَرَهُمْ رَبًّا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زَنِيَةً“ (۲۸) (حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما (جن کے والد حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ ہیں) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جانتے بوجھتے سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سود کی قباحت سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے ایک روایت ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ”لِيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا فَإِن لَّمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بَخَارِهِ وَقَالَ أَبُو عِيسَى أَصَابَهُ مِنْ

۲۷- القرآن ۲: ۲۷۸-۲۷۹۔

۲۸- احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، مسند الإمام أحمد بن حنبل، ت: شعیب الارنؤوط، عادل مرشد و آخرون (بیروت:

مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱ء)، ۳۶: ۲۸۸، رقم: ۲۱۹۵۔

غبارہ۔“ (۲۹) (لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب سود کھانے والوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہے گا اور

اگر کوئی سود سے بچ بھی گیا تو وہ سود کے اثرات سے نہیں بچ سکے گا۔)

مطلب یہ ہے کہ سود کے عام ابتلا کے زمانے میں اگر کوئی شخص براہ راست سود کے لین دین سے بچ بھی جائے تو وہ کسی نہ کسی صورت میں سود میں ضرور ملوث ہوگا، مثلاً وہ کسی سود خور کا وکیل ہوگا یا سودی دستاویزات لکھنے والا ہوگا، یا کسی سودی معاملے کا گواہ ہوگا، یا سودی کاروبار کرنے والوں میں رابطہ کار ہوگا۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ جب سود کا دائرہ وسیع ہو کر تجارت و معیشت کے ہر گوشے پر حاوی ہوگا (جیسا کہ آج کل ہے) تو پھر سود کا مال ہر شخص تک کسی نہ کسی حیثیت میں ضرور پہنچے گا۔ ایک متقی پرہیزگار شخص اپنے اہل خانہ کے لیے جب کچھ خریدتا ہے تو کیا وہ تصور کر سکتا ہے کہ میں جو چیز اپنے اہل خانہ کو کھلا رہا ہوں، نہ معلوم یہ کتنے سودی ذرائع اور کتنے سودی مراحل سے گزر کر میرے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔ حدیث کا یہی مفہوم ہے کہ سود کی لعنت اتنی ہمہ گیر اور وسیع ہوگی کہ ہر شخص شعوری و غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہوگا، کوئی بلا واسطہ سود کھائے گا، کوئی بالواسطہ اس کا مرتکب ہوگا اور کوئی بالکل ہی غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا اثر ہوگا۔ بنکوں کا سود دور حاضر میں ایک ایسا وبال ہے کہ جس کے شکنجے میں ہر کوئی پھنسا ہوا ہے۔ اس حوالے سے پاکستان میں ادارہ جاتی اور انفرادی سطح پر بہت وقیع کام ہوا ہے۔ زیر نظر کتاب تراجم مصادر قانون اسلامی کی چوتھی کاوش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس میں چاروں فقہی مسالک کی بنیادی کتب سے ربوا (سود) اور مضاربہ کے موضوع پر ابواب کا بڑی خوب صورتی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نمبر شمار	مصادر	مؤلف
۱.	القرآن الکریم	
۲.	الموطأ	امام مالک بن انسؒ، م ۱۷۹ھ
۳.	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاریؒ، م ۲۵۶ھ
۴.	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیریؒ، م ۲۶۱ھ
۵.	سنن ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزویؒ، م ۲۵۵ھ
۶.	جامع ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ، م ۲۷۹ھ

۲۹- سلیمان ابن اشعث ابو داؤد، سنن أبي داؤد، البيوع، باب في اجتناب الشبهات (قاہرہ: مؤسسة قرطبة)،

۷.	أحكام القرآن	ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص، م ۳۷۰ھ
۸.	المهذب	ابو اسحاق ابراہیم ابن علی الشیرازی، م ۳۷۶ھ
۹.	السنن الکبریٰ	ابو بکر احمد بن الحسین ابن علی بن موسیٰ البیہقی، م ۳۸۵ھ
۱۰.	المغنی	عبد اللہ بن احمد المقدسی (ابن قدامہ)، م ۶۲۰ھ
۱۱.	الهدایة	ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، ۵۹۳ھ
۱۲.	إعلام الموقعین	محمد بن ابی بکر الزرعی الشہیر بآبن قیم (لحد زید م)، م ۷۵۱ھ
۱۳.	الشرح الصغیر	ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد (الدردیر)، م ۱۲۰۱ھ

کتاب میں بعض ابواب کے مکمل تراجم کیے گئے ہیں اور بعض مقامات پر خلاصہ بیان کیا گیا ہے لیکن اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو۔ مترجم اور مرتب نے اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا، البتہ اگر کسی جگہ وضاحت یا ربط کے لیے کسی عبارت کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ مترجم و مرتب کی طرف سے ہے۔

احکام رہن کفالہ وحوالہ سلسلہ تراجم مصادر قانون اسلامی، ۱۹۹۱ء از غلام عبدالحق محمد

ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیر اہتمام سلسلہ تراجم مصادر قانون اسلامی کے حوالے سے کتاب احکام رہن کفالہ وحوالہ اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت مفید کاوش ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مروجہ اسلامی بنکاری اور کفال (اسلامی انشورنس) میں ان عقود کا بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے: پہلا باب رہن، دوسرا کفالہ اور تیسرا حوالہ سے متعلق ہے۔ ہر باب میں زیر بحث عقد کے احکام سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث نبوی ذکر کی گئی ہیں، مثلاً باب اول میں فاضل مصنف نے رہن سے متعلق احکام ذکر کیے ہیں اور ان کا آغاز اس آیت سے کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَنَّ مَقْبُوضَةً﴾^(۳۰) (اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو قرض دینے والے کے قبضہ میں کوئی چیز گروی رکھ دو)۔ اس کے بعد رہن سے متعلق نبی ﷺ کا درج ذیل ارشاد گرامی نقل کیا ہے: ”عن عائشة رضي الله عنها قالت: تُوِّفِّي رسول الله صلى الله عليه وسلم و درعه مرهونة عند يهودي بثلاثين صاعاً من شعير.“^(۳۱) (ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو

۳۰۔ القرآن ۲: ۲۸۳۔

۳۱۔ بخاری، مصدر سابق، باب ما قبل في درع النبي ﷺ (بیروت: دار ابن کثیر، ۱۹۸۷ء)، ۳: ۱۰۶۸۔

اس وقت آپ کی ذرع ایک یہودی کے پاس تیس (۳۰) صاع جو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی۔ زیر نظر کتاب میں فقہی مذاہب کی بنیادی، مسلمہ اور مستند کتب سے استفادہ کیا گیا ہے اور چاروں ائمہ مذاہب کے اقوال کے ساتھ ساتھ فقہ جعفری کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں۔

رہن سے مراد کسی چیز کو ایسے حق کے عوض گروی رکھنا جس حق کی کلی یا جزوی طور پر وصولی اس چیز کے ذریعے ممکن ہو، جب کہ کسی کے مطالبے (Claim) کے معاملے میں ایک شخص کی ذمے داری کے ساتھ کسی اور شخص کی ذمے داری کو ملا دینا کفالہ کہلاتا ہے، اور قرض کی رقم کسی اور شخص کو منتقل کر دینا حوالہ کہلاتا ہے۔

فاضل مصنف نے باب دوم میں کفالہ اور باب سوم میں حوالہ کے احکام تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ مصنف کانداز بیان مکمل طور پر قانونی ہے، البتہ اس کتاب میں بھی موضوعات کے حوالے سے سلسلہ مصادر قانون اسلامی کی دیگر کتب کی طرح فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی اور فقہ جعفری کی امہات الکتاب کا رواں ترجمہ و تلخیص کی گئی ہے۔ زیر نظر کتاب رہن، کفالہ اور حوالہ جیسے اہم موضوعات پر مستند معلومات فراہم کرنے والی ایک عمدہ کتاب ہے، بلکہ اسلامی بنکاری اور اسلامی مالیات کے ماہرین اور طلبہ کے لیے اساسی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

Islamic Law of Business Organization Partnerships, Prof. Imran Ahsan Khan Nayazee, Islamic Research Institute, (1999), Pages 347.

اسلامی مالیات بالخصوص اسلامی بنکاری پر گزشتہ چند دہائیوں سے بہت حد تک پیش رفت ہوئی ہے۔ پاکستان، ایران اور ملائیشیا جیسے ممالک میں تو اسے ریاستی سرپرستی بھی حاصل ہے تاہم زیادہ کام نجی سطح پر ہو رہا ہے۔ اور اس میں جزوی طور پر کام یابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ اس جزوی کام یابی کے ان مسلمان سرمایہ کاروں کی یہ خواہش شامل ہوتی ہے کہ وہ اپنا کاروبار جائز اور شرعی اصولوں کے مطابق کریں۔

اس ضرورت کے پیش نظر معاصر ماہرین اقتصادیات نے اسلامی مالیات کے مختلف پہلوؤں کو پوری جامعیت اور وسعت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ بتایا کہ موجودہ دور میں ان قوانین کے نفاذ کی عملی صورتیں کیا ہیں اور اس راستے میں حائل رکاوٹیں اور دشواریاں کیا ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی پاکستان کے نظام معیشت کو سود سے پاک کرنے اور اسلامی اصلاحات متعارف کروانے کے لیے متعدد سفارشات پیش کی ہیں۔

زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل مصنف نے اس کتاب میں ناقدانہ انداز میں اسلامی قانون مالیات، بالخصوص اسلامی قانون شراکت کا تجزیہ کیا ہے۔ انھوں نے اسلام کے نظام مالیات پر لکھنے والے ماہرین کی کم زوریوں کی نشان دہی ان الفاظ میں کی ہے:

In fact, if one critically examines the literature on Islamic law and finance, one feels that many of the experts working in this area are up in a blind alley. They feel tied in by the apparently strict rules of the *Shari'ah* on one side and the sophisticated and speculative nature of the modern instruments on the other.⁽³²⁾

در حقیقت اگر کوئی شخص اسلامی قانون اور مالیات کے لٹریچر کا ناقدانہ جائزہ لے تو اسے احساس ہو گا کہ اس میدان میں کام کرنے والے ماہرین بند گلی میں ہیں۔ وہ ایک طرف شریعہ کے اصول و ضوابط کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں تو دوسری طرف جدید بے چلک اور مبہم قوانین سے پریشان حال نظر آئیں گے۔

فاضل مصنف کے نزدیک دوسرا کم زور پہلو یہ ہے کہ جدید ماہرین اقتصادیات نے اسلامی مالیات کے مسائل کو تو ذکر کیا، لیکن اسلامی مالیات کے قوانین کو مکمل طور پر نظر انداز کیا یا وہ اہمیت نہیں دی جن کے وہ مستحق تھے، جب کہ روایتی علما نے قدیم فقہی آرا کو تو نقل کیا، لیکن جدید پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا:

Most of this work has, however, been undertaken by economists for whom the economic issues have naturally been more important than the legal issues. The result is that some of the most important legal principles in this field have either been completely ignored or have not been given the attention they deserve.⁽³³⁾

اس حوالے سے زیادہ کام ماہرین اقتصادیات کا ہے، جن کے نزدیک قانونی پہلوؤں کی بجائے معاشی پہلوؤں کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ جس کے نتیجے میں بہت اہم قانونی اصول و ضوابط یا تو نظر انداز کر دیے گئے یا انھیں وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق ہیں۔

32- Nyazee, Imran Ahsan Khan, *Islamic Law of Business Organization Partnership* Islamic Research Institute and International Institute of Islamic thoughts, 1999, p 1-2.

33- Ibid, 4.

فاضل مصنف کے نزدیک درست طریقہ یہ ہے کہ قانون شراکت کے لیے جو اصول اور قواعد و ضوابط قدیم فقہانے وضع کیے ہیں ان کا صحیح اور درست فہم حاصل کیا جائے اور پھر انہیں جدید مالیاتی طریقوں پر منطبق کیا جائے، وہ لکھتے ہیں:

What needs to be done, therefore, is to clearly understand the basic legal principles operating within the Islamic forms of business organization developed by the earlier jurists. Once these principles have been identified and their operation fully understood, an effort should be made to apply the principles to the modern forms of partnerships and corporations.⁽³⁴⁾

ضرورت اس امر کی ہے کہ متقدمین فقہانے اسلامی اقتصادیات کے جو بنیادی قوانین وضع کیے ہیں ان کو اچھے طریقے سے سمجھا جائے۔ اگر پہلے ان بنیادی ضوابط اور ان کی تطبیقات کو ایک مرتبہ سمجھ لیا جائے تو شراکت اور کارپوریشنز کی جو جدید شکلیں پیدا ہوئی ہیں ان پر منطبق کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

فاضل مصنف نے زیر نظر کتاب کو اسلامی قانون، اور اسلامی معاشیات کے طلبہ کے لیے بہ طور درسی کتاب کے تجویز کیا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد کا عنوان Islamic Law of Business Organization: Partnerships، جب کہ دوسری جلد کا عنوان Islamic Law of Business Organization: Corporations ہے۔ پہلی جلد میں یہ بتایا گیا ہے کہ قانون شراکت کی حقیقت کیا ہے، یہ معاہدہ کیسے وجود میں آتا ہے، اس کی مختلف صورتیں اور اساسی تصورات کیا ہیں، نفع کے استحقاق کی صورتیں کون کون سی ہیں۔ اور آخری ابواب میں شرکت کی مختلف قسموں مثلاً شرکت العنان، شرکت المفوضہ اور شرکت الوجہ سے متعلق ائمہ اربعہ کی آرا کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ مزید یہ کہ مضاربہ کی قانونی حیثیت اور اس سے متعلق اہم قانونی مسائل، زراعت، مساقات وغیرہ کی تفصیلات بھی ذکر کی ہیں۔ آخری باب Islamic Form of Partnerships for the Modern World کے عنوان کے تحت جدید کارپوریشن کا تصور اور اس سے متعلق اہم قانونی مسائل جیسا کہ شخص قانونی (Legal Personality) جیسے اہم مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔

کتاب الأموال از أبو جعفر أحمد ابن نصر الداؤدی (م ۴۰۲ء)، ۱۹۹۵ء

زیر نظر کتاب چوتھی صدی ہجری کے معروف مالکی فقیہ ابو جعفر احمد ابن نصر الداؤدی رحمۃ اللہ علیہ (۳۵) کی تصنیف ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی نے فاضل مصنف کی زیر نظر کتاب کو تدوین و ترتیب اور انگریزی ترجمے کے بعد توضیحی و تفسیری حواشی کے ساتھ شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کتاب کو میڈرڈ کی ایسکوریل لائبریری (Escorial Library) میں مخطوط کی شکل میں محفوظ کیا گیا تھا، جسے بعد ازاں انتہائی محنت کے بعد طباعت کے قابل بنایا گیا۔ دراصل یہ کتاب اسلامی نظام مالیات کی مالکی نقطہ نظر سے ایک نمائندہ کتاب ہے۔ اس کتاب کے مشتملات کے بارے میں مصنف رقم طراز ہیں:

This treatise contains broad principles of state revenues, military administration, as well as the author's verdicts (*fatawa*) on the settlements of lands in al-Ifriqiyyah, al-Maghrib, Spain and Sicily. It also discusses how to maintain equilibrium in society between various groups of rich and poor people.⁽³⁶⁾

اس مجموعہ میں ریاست کے ذرائع آمدن، عسکری انتظامیہ کے وسیع اصول اور مصنف کے وہ فتاویٰ جات موجود ہیں جو اندلس، مراکش، سسلی اور افریقہ کی زمینوں کی آبادکاری کے تصفیہ جات اور تنازعات کے فیصلوں سے متعلق ہیں۔ نیز اس میں معاشرے کے مال دار اور غریب طبقات کے مابین توازن رکھنے کا بھی تذکرہ ہے۔ اس موضوع پر دیگر مایہ ناز فقہا کی تحریریں بھی موجود ہیں مثلاً اس موضوع پر سب سے پہلی تحریر معاویہ ابن عبید اللہ الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۰ء) کی ہے۔ اس کے علاوہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۲)، یحییٰ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۵)، ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۴ھ)، یحییٰ بن ادم (م ۲۰۳ء)، ابو الفرج قدامہ ابن جعفر الخطیب رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۰) کی تحریروں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

۳۵۔ آپ کے معاصر اور بعد میں آنے والے فقہا مثلاً قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، قاضی ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن فرحون رحمۃ اللہ علیہ نے اس مایہ ناز عالم کو حدیث، لغت اور اسلامی علوم کے ماہر کے طور پر متعارف کروایا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فاضل مصنف کی درج ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے، النامی فی شرح الموطاء، النصیحة فی شرح البخاری، الواعی فی الفقہ، الإيضاح فی رد القدریة، کتاب الأصول، کتاب البیان اور کتاب الأموال۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے بلاد مغرب کے معروف مالکی فقیہ ہیں، جن کا تعلق قبیلہ بنو اسد سے ہے۔

احکام بیع سلسلہ مصادر قانون اسلامی، (۲۰۰۵ء)، از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر منصوری

اسلام دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے اور باہمی رضامندی سے طے پانے والے معاہدہ خرید و فروخت کو مال کے حصول کا ایک جائز ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ارشادِ بانی ہے کہ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً مُطْلَقًا ۖ مِنْكُمْ﴾^(۳۷) (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ البتہ یہ کہ خرید و فروخت کے ذریعے، رضامندانہ طور پر ایک دوسرے کے مال سے لے سکتے ہو۔)

اس آیت کریمہ میں باطل اور ناجائز طریقے سے دوسرے کا مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اس میں دھوکا، فریب، رشوت، سود اور دیگر حرام اور ممنوعہ ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی سبھی شامل ہیں۔ زیر نظر کتاب ادارہ تحقیقات اسلامی کے سلسلہ تراجم مصادر فقہ اسلامی کی ایک کڑی ہے اس سے قبل اس سلسلے کی گیارہ کتب ادارہ سے شائع ہو چکی ہیں۔ اس کتاب میں بھی سلسلے کی سابق کتابوں کی طرح پہلے زیر بحث موضوع پر قرآنی آیات اور احادیث نقل کی گئی ہیں پھر مناسب ابواب اور عنوانات کے تحت ان نصوص کی مستند تعبیر و تشریح کی گئی ہے۔ مزید یہ کہ احادیث میں وارد اصطلاحات کی آسان اور عام فہم وضاحت بھی کر دی گئی ہے، مثلاً بیع ملامسہ،^(۳۸) بیع منابذہ،^(۳۹) بیع مزابنہ، بیع العینہ،^(۴۰) بیع عربون^(۴۱) وغیرہ؛ بیع عربوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۳۷۔ القرآن ۴: ۲۹۔

۳۸۔ بیع ملامسہ میں فریقین میں یہ طے ہوتا ہے کہ جس چیز کی خرید و فروخت کا معاہدہ ہو رہا ہے جب خریدار اس پر ہاتھ رکھے گا یا چھوئے گا تو محض اس کے چھونے سے معاملہ مکمل سمجھا جائے گا، بعد ازاں خریدار کے پاس چیز دیکھ کر اس سودے کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔

۳۹۔ بیع مزابنہ بھی بیع ملامسہ کی طرح جوئے اور قمار کی ایک شکل ہے۔ اس میں درخت پر موجود تازہ کھجوروں اور مقررہ وزن کی خشک کھجوروں سے ناپ کر بیچا جاتا ہے۔

۴۰۔ بیع عینہ سے مراد ایسی بیع ہے جس میں کسی شخص کو ایک چیز ادھار فروخت کی جائے اور پھر اسی سے وہی چیز کم قیمت پر نقد خرید لی جائے۔ ایک دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی چیز نقد بیچی جائے اور پھر وہی چیز ادھار پر پہلی قیمت کے مقابلے میں زیادہ قیمت پر خرید لی جائے، جب کہ یہ دونوں معاملے اسی مجلس میں طے پائیں۔

۴۱۔ عربون سے مراد ہے کہ اگر خریدار معاہدہ کرتے وقت بائع کو بطور بیعانہ کچھ رقم دے دے اور معاہدے میں یہ شرط رکھی جائے کہ اگر خریدار نے مقررہ وقت پر رقم ادا کر دی، تو بیعانہ قیمت میں شمار ہوگا، بصورت دیگر بائع کو حق حاصل ہوگی کہ وہ بیعانہ کی رقم ضبط کر لے۔

عربوں سے مراد یہ ہے کہ خریدار معاہدہ کرتے وقت بائع کو بطور سائی، یا بیعانہ کچھ رقم دے دے اور معاہدے میں شرط یہ ہو کہ اگر خریدار نے مقررہ وقت پر رقم ادا کر دی تو بیعانہ قیمت میں شمار ہو گا۔ دوسری صورت میں بائع کو حق حاصل ہو گا کہ وہ بیعانہ کی رقم ضبط کر لے۔ یہ بیع حبلی فقہاء کو چھوڑ کر باقی تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے۔ ان کے نزدیک ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کے مترادف ہے۔^(۴۲)

زیر نظر کتاب میں بیع سے متعلق اہم احکام فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کا مواد فقہ کی بنیادی اور مستند کتابوں سے لیا گیا ہے۔ عربی اقتباسات کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ ترجمے کی زبان رواں، سادہ، سہل اور عام فہم ہو اور اس کے ساتھ ہی مختلف مسائل پر فقہاء کا نقطہ نظر ممکنہ صحت و احتیاط کے ساتھ نقل کیا جائے۔ ابواب کی ترتیب میں اسلامی قانون معاہدہ کی معاصر کتابوں کا منہج سامنے رکھا گیا ہے اور معاہدہ بیع کی اقسام اور اس کے ارکان و شرائط کو ایک منطقی ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کے باب اول میں بیع و شرا سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کا بحوالہ متن اور ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر آیات و احادیث کے بعد تشریحی نوٹس بھی دیے گئے ہیں۔ باب دوم میں معاہدہ بیع کا مفہوم اور بیع کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔ اس میں بیع کی اقسام مثلاً مراءجہ،^(۴۳) سلم،^(۴۴) صرف،^(۴۵) استصناع،^(۴۶) بیع باطل،^(۴۷) بیع فاسد^(۴۸) اور بیع موقوف^(۴۹) کو متعارف کرایا گیا ہے۔ باب سوم

۴۲۔ محمد طاہر منصوری، احکام بیع (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۵ء)، ۲۷۔

۴۳۔ مراءجہ کا لفظ ’رج‘ سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب فائدہ، نفع یا اضافہ ہے۔ مراءجہ میں فروخت کنندہ کے لیے لازم ہے کہ وہ سامان تجارت میں اپنی لاگت کو ظاہر کرے۔ معروف حنفی فقیہ المرغینانی نے مراءجہ کی تعریف یوں کی ہے ”یہ کسی بھی چیز کی اس قیمت کے اوپر باہمی طے کردہ نفع پر مبنی بیع ہے جس پر بیچنے والے نے اسے خریدا تھا۔“

۴۴۔ بیع سلم ایک ایسی چیز کا معاہدہ ہے جسے وصف کے ذریعے بیچا جاتا ہے اور اسے مستقبل میں فراہم کرنا بائع کے ذمے ہوتا ہے۔ اس کی قیمت مجلس معاہدہ میں بائع کے سپرد کر دی جاتی ہے۔

۴۵۔ بیع صرف سے مراد نقد (کرنسی) کا نقد سے تبادلہ ہے، چاہے وہ دونوں ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں یا دو مختلف اجناس سے تعلق رکھتے ہوں۔

۴۶۔ استصناع سے مراد کسی چیز کو آرڈر پر تیار کروانا ہے، جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی بڑھی سے کہے کہ میرے لیے اپنے پاس موجود لکڑی سے فلاں شکل کا میز تیار کرو جہاں مطلوبہ کام کی نوعیت، مقدار، جسامت اور دیگر خصوصیات کا تعین کر دیا جائے۔

۴۷۔ ہر وہ بیع جس میں شرائط انعقاد، یعنی ارکان بیع سے متعلق ضروری امور میں سے کوئی شرط، جیسے فریقین معاہدہ کی اہلیت، محل بیع وغیرہ پوری نہ ہو رہی ہوں اسے بیع باطل کہا جاتا ہے۔

۴۸۔ بیع فاسد سے مراد ایسی بیع ہے جس میں صحت بیع کی ضروری شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے۔

۴۹۔ بیع موقوف سے مراد ایسی بیع ہے جس کا نفاذ یا اس پر عمل درآمد کسی امر پر موقوف ہوتا ہے۔

میں معاہدہ بیع کے ارکان کے بارے میں گفت گو کی گئی ہے۔ اس میں تشکیل معاہدہ کے اسالیب، بیع کی شرائط اور فریقین معاہدہ کی اہلیت جیسے موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب چہارم معاہدے کی شرائط کے بارے میں ہے۔ اس باب میں ان شرائط کے بارے میں گفت گو کی گئی ہے جو فریقین معاہدہ باہمی رضامندی سے طے کر سکتے ہیں۔ باب پنجم میں ناجائز و ممنوعہ بیوع کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں غرر، ربا، دھوکے اور ضرر سانی کی بنا پر ممنوعہ معاملات کے بارے میں گفت گو کی گئی ہے۔ باب ششم خیارات کے بارے میں ہے یعنی شریعت نے بائع و مشتری کو سودا فسخ کرنے کا جو حق دیا ہے، اس کی تفصیلات اس باب میں بیان کی گئی ہیں۔ اس میں خیار مجلس، خیار شرط، خیار رؤیت، خیار غبن اور خیار عیب کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

فاضل مصنف نے ان ابواب کے مباحث میں مذاہب اربعہ کی اہم اور بنیادی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ زیر بحث موضوعات پر چاروں مسالک کا نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے، تاہم بعض مقامات پر صرف ایک یا دو مسالک کے نقطہ ہائے نظر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آخر میں ان تمام فقہی اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے جو کتاب میں استعمال ہوئی ہیں، نیز کتاب میں جن بنیادی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ الغرض یہ کتاب اپنی اہمیت کے لحاظ سے ایک اہم علمی کاوش ہے جو کہ نہ صرف قانون دان طبقے کے لیے بلکہ اسلامی معاشیات کے طالب علموں اور عام قاری کے لیے بھی یکساں مفید ہے۔

احکام وقف، سلسلہ تراجم مصادر قانون اسلامی، (۱۹۹۹ء) از غلام عبدالحق محمد

انسانی فلاح جیسے کہ مصیبت زدوں کی مدد کرنا، سماج سے غربت و افلاس کو دور کرنا، فاقہ کشوں تک روٹی پہنچانا، بیماروں کی تیمارداری کرنا اور ان کا علاج کروانا نیز ایسے سینکڑوں کام ہیں جن کو منظم اور مربوط طریقے پر انجام دیا جانا کسی بھی سماج کی فلاح کے لیے بنیادی ضرورت کا درجہ رکھتا ہے اور اسلام نے اس کی بھرپور حوصلہ افزائی کی ہے۔ 'قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَا آدُرُكَ مَا الْعُقْبَةُ ۖ فَكُ رَقَبَةً ۖ أَوْ أَطْعَمِي يَوْمَ ذِي مَسْعَبَةٍ ۖ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۖ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۖ﴾ (اور تو کیا سمجھا، کیا ہے وہ گھاٹی، چھڑانا گردن کا، یا کھلانا بھوک کے دن میں، یتیم کو جو قرابت والا ہے، یا محتاج کو جو خاک میں رل رہا ہے) (۵۰) ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے: ﴿كَلَّا بَلْ لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ ۖ وَلَا تَحْضُونَ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ﴾ (بات یہ ہے کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے)۔

۵۰۔ القرآن ۹۰: ۱۴-۱۷۔

۵۱۔ القرآن ۸۹: ۱۸۔

وقف کی روح بھی یہی ہے کہ کوئی بھی جائے داد اس طرح رضاے ربانی کی خاطر کسی کار خیر کے لیے کر دی جائے کہ اصل شے محفوظ رہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی (منفعت) متعین مصارف خیر پر صرف ہوتی رہے۔ وقف کا ثبوت خود رسول اللہ ﷺ اور عہد صحابہ میں ملتا ہے اور جملہ بلاد اسلامی میں اتنی جائے دادیں وقف کی گئیں کہ وقف کا ایک وسیع نظام وجود میں آگیا۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل بھی ایسی جائے دادوں کا ثبوت ملتا ہے جنہیں ذاتی ملکیت یا ذاتی مفادات کے ساتھ مختص کرنے کے بجائے انھیں عامۃ الناس کے استفادے کے لیے عام رکھا گیا۔ مثلاً بزم زمزم ہے کہ اس کو متعلقہ افراد نے اپنے لیے مخصوص نہیں کیا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے یا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد نے اس کو انفرادی ملکیت نہیں بنایا۔ اسی طرح حرم مکہ، ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس کو ایسے اداروں کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جو مفاد عامہ کے لیے کھلے رکھے گئے اور کسی کو ان کی خرید و فروخت کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اس حوالے سے ہر دور میں وقف کی افادیت اور بہتر انتظامات کے لیے تحقیق اور کوششیں ہوتی رہیں۔

زیر نظر کتاب اسی موضوع کا احاطہ کیے ہوئے ہے، جو کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کی سلسلہ مصادر قانون اسلامی کی ہی ایک کڑی ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب کو گیارہ ابواب میں تقسیم کیا ہے، پہلے باب میں احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں وقف کو ذکر کیا ہے۔ دوسرے باب میں وقف کی تاریخ قبل اسلام اور صحابہؓ کے ادوار میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسلام کے کئی شعبے ایسے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانے سے پہلے سے موجود تھے مثلاً بیع، اجارہ، اور نکاح وغیرہ جیسے عقود پہلے زمانے سے چلے آ رہے تھے البتہ اسلام نے انھیں فروغ دیا، انھیں نئی جہت و صورت عطا کی، انھیں نظم و نسق دیا اور ان میں حق و باطل کا امتیاز پیدا کر کے ارتقائی منازل کی طرف بڑھایا۔^(۵۲)

اسی موضوع پر محمد ابو زہرہ کے موقف کو ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں: ”اسلام نے وقف کو ایک مکمل ادارہ بنا کر اس میں وسعت پیدا کر دی ہے اور وقف صرف معابد اور مساجد تک محدود نہیں بلکہ اس میں وقف علی الفقراء شامل ہو گیا ہے۔ غلام آزاد کرانے کے لیے وقف اور قرض حسنہ کے لیے وقف بھی شامل ہے“^(۵۳)

اسی باب میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ادوار میں وقف کے تصور کے حوالے سے واقعات نقل کیے ہیں۔ جن میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی

۵۲۔ غلام عبدالحق محمد، احکام وقف (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۹ء)، ۲۴۔

۵۳۔ نفس مصدر۔

المرتضی، حضرت زبیر، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم، اور دیگر صحابہ اور صحابیاتؓ کے علاوہ تابعین کے واقعات بھی شامل ہیں۔ فاضل مصنف نے سلسلہ مصادر قانون اسلامی کے مروجہ اسلوب کی بجائے اس باب میں منفرد منہج اختیار کیا ہے۔ باقی ابواب میں وقف کے احکام کو اسلامی قانون کے چاروں فقہی مسالک کی بنیادی کتب سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ کتاب موضوع کے اعتبار سے بہت مفید ہے، البتہ کتاب میں جا بجا املاکی غلطیاں ہیں جن کی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

الوظائف الاقتصادية للدولة في الإسلام (۲۰۱۵ء) از پروفیسر ڈاکٹر احمد

یوسف احمد الدریوش (۵۴)

گذشتہ چند دہائیوں سے مسلمان ممالک اور مسلم معاشرے میں یہ فکر اور سوچ پروان چڑھ رہی ہے کہ وہ اپنی معاشرتی اور سماجی زندگی کی تنظیم، اپنے معاملات کی تشکیل، اور اپنے رزق کا حصول اسلامی شریعت کے اصولوں کے مطابق کریں۔ انفرادی بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اس نوع کی کاوشیں ہو رہی ہیں کہ معیشت کو اسلامی احکام کے تابع بنایا جائے۔ درحقیقت معیشت کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنا اور عملی زندگی میں اس کی تطبیق ایک اہم چیلنج ہے۔ زیر نظر کتاب الوظائف الاقتصادية للدولة في الإسلام بھی اس چیلنج سے عہدہ براہونے کی ایک علمی کوشش ہے۔ اس کتاب میں اسلامی نقطہ نظر سے ریاست کے مالی و اقتصادی فرائض اور دائرہ کار سے بحث کی گئی ہے اور اسلام کے اقتصادی نظام کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

فاضل مصنف نے اس موضوع کا انتخاب اس وجہ سے کیا ہے کہ امت مسلمہ میں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ دن بدن زور پکڑتا جا رہا ہے، لیکن بد قسمتی سے ایک طویل عرصے سے سودی نظام، ذخیرہ اندوزی اور دیگر مروجہ معاشی خرابیوں نے معاشرے کو نہ صرف اسلام کے اقتصادی نظام کی برکات و ثمرات سے محروم کر دیا ہے، بلکہ اسلام کے اقتصادی نظام کو موضوع بحث بنانے والوں میں سے بعض نے اسے سرمایہ دارانہ نظام کا چہرہ قرار دیا

۵۴۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد یوسف احمد الدریوش سعودی عرب کے دارالخلافہ ریاض میں پیدا ہوئے، آپ نے جامعہ امام محمد بن سعود سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں منصب صدارت سنبھالنے سے پہلے سعودی جماعت میں مناصب پر فائز رہے۔ آپ جامعہ امام محمد بن سعود کے نائب صدر اور سینئر مشیر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ آپ سعودی عرب کی متعدد علمی مجالس کے رکن بھی ہیں۔ آپ بیس سے زائد کتابوں اور متعدد تحقیقی مقالہ جات کے مصنف ہیں۔

ہے اور بعض اسے اشتراکی نظام کی ایک شکل قرار دیتے ہیں؛ حالاں کہ اسلام کا اقتصادی نظام خالص ربانی ہے اور قرآن و سنت پر مبنی نظام ہے۔^(۵۵)

چوں کہ حکومت کا کام صرف یہ ہی نہیں ہے کہ وہ امن و امان قائم کرے اور ملکی دفاع کا فریضہ سرانجام دے، بلکہ ملک کو اقتصادی ترقی دینے اور اسے رفاهی ریاست بنانے میں حکومت کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔^(۵۶)

فاضل مصنف نے واضح کیا کہ زکوٰۃ اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی ستون ہے، نظام زکوٰۃ کے قیام ہی سے ایک مسلمان معاشرے کے لیے عدل اجتماعی کا حصول، دولت کی منصفانہ تقسیم، غربت و افلاس سے نجات، معاشی ناہمواریوں اور ان سے پیدا ہونے والی معاشرتی برائیوں کا تدارک اور سب سے بڑھ کر بیرونی سودی قرضوں سے نجات ممکن ہے۔ اس نظام کے مکمل نفاذ کی بدولت ایک معاشرہ اور اس کی حکومت اس قدر مالی وسائل حاصل کر سکتے ہیں کہ اسے اپنی ضروریات کی تکمیل اور مسائل کے حل کے لیے کسی غیر سے امداد حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

زیر نظر کتاب میں اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام کا اسلام کے اقتصادی نظام سے موازنہ کر کے یہ واضح کیا ہے کہ مؤخر الذکر اس جدید دور میں نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ معاشرے کے لیے دوسرے تمام مالیاتی نظاموں سے زیادہ عادلانہ، مفید، آسان، اور نفع بخش بھی ہے، کیوں کہ اسلامی معاشی نظام کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں ہے، جس کی بنیاد انتقام یا طبقاتی منافرت جیسے نقائص پر ہو، بلکہ یہ کائنات کے خالق کا بنایا ہوا نظام ہے۔

زیر نظر کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد کے ۵۴۶، دوسری کے ۵۳۶، اور تیسری کے ۵۳۰ صفحات ہیں جو کہ تین تفصیلی ابواب، متعدد فصول اور مباحث پر مبنی ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب کے مقدمے میں موضوع کے انتخاب کی وجہ، مصادر اور مراجع کی نوعیت، منہج بحث، موضوع کے دائرہ کار، نوعیت اور اہمیت پر بحث کی ہے۔ پہلے باب میں اسلام کے اقتصادی نظام کے تصورات اور مقاصد کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ دوسرے باب میں شرعی لحاظ سے حکومت کی اقتصادی ذمہ داریوں، مالیاتی منصوبہ بندی، کرنسی کی شرعی حیثیت، محتاج افراد اور مستحق خاندانوں کی کفالت پر تحقیقی بحث کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں ملکی پیداوار، صنعت و حرفت اور تجارتی اداروں کے لیے قواعد و ضوابط وضع کرنے اور ان کی نگرانی کے لحاظ سے حکومت کا عمل دخل، حق ملکیت کی تحدید

۵۵۔ احمد یوسف احمد الدریویش، الوظائف الاقتصادية للدولة في الإسلام (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی)، ۱: ۱۲۔

۵۶۔ نفس مصدر، ۱: ۱۲۔

میں حکومت کا اختیار، ملازمین اور مزدوروں کی تنخواہ کے تعین میں حکومت کا عمل دخل اور دائرہ کار زیر بحث لایا گیا ہے۔

اس کتاب میں دنیا کے مروجہ معاشی نظاموں پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ معیشت کے میدان میں اسلام کے مخصوص نقطہ نظر کی بھرپور نمائندگی کی گئی ہے۔ اس کتاب کی رہ نمائی میں معاشیات کے طالب علم ان راہوں کو دریافت کر سکتے ہیں جن سے اسلام کے اقتصادی نظام کے ثمرات و برکات سے راستہ استوار کیا جاسکتا ہے اور معاشی امور پر غور و فکر کی نئی راہیں کھل سکتی ہیں۔

Islam and Economic Development (1993) by Dr. Muhammad Umar Chapra ⁽⁵⁷⁾

دنیا میں بیش تر مسلم ممالک ترقی پذیر ممالک کی فہرست میں شامل ہیں، گو کہ ان میں سے بعض بہت امیر ممالک بھی ہیں اور بعض پس ماندہ اور غریب ممالک ہیں۔ ان مسلم ممالک کی ترقی میں حائل دشواریوں میں سے سب سے اہم ان کے ہاں معاشی عدم توازن ہے، ممالک کے معاشی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

All Muslim countries fall within the category of developing countries even though some of them are relatively rich while other is extremely poor. Most of these countries, particularly the poorer ones, like other developing countries, are also beset with a number of extremely difficult problems. One of these problems is their macroeconomic imbalance reflected in high rates of unemployment and inflation, excessive balance of

۵۷۔ محمد عمر چھاپرا، اسلامی معاشیات کے مایہ ناز محقق ہیں جن کا شمار دنیا کے پچاس بڑے اسلامی معاشیات کے رہ نماؤں میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۹۳۳ء میں پاکستان میں پیدا ہوئے، بعد ازاں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر خدمات سر انجام دیں ان اداروں میں ادارہ تحقیقات اسلامی بھی شامل ہے۔ آپ کی خدمات کے صلے میں ۱۹۸۹ء میں شاہ فیصل اور اسلامی ترقیاتی بینک کی طرف سے ایوارڈ دیا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۹۵ء میں انسٹی ٹیوٹ برائے اوور سیز پاکستانیز کی طرف سے صدر پاکستان نے گولڈ میڈل سے نوازا۔ آپ اس وقت ادارہ برائے اسلامی تحقیق و تربیت، اسلامی ترقیاتی بینک جدہ سعودی عرب & Islamic Rsearch & Training Instittue (IRTI), Islamic Development Bank, Jedha, Kingdom of Saudi Arabia) میں بحیثیت ایڈوائزر کام کر رہے ہیں۔ آپ نے گیارہ کتابیں اور متعدد تحقیقی مقالات لکھے ہیں۔

payment deficits, continued exchange rate depreciation, and heavy debt burden.⁽⁵⁸⁾

بالعموم تمام مسلم ممالک ترقی پذیر ممالک کے زمرے میں آتے ہیں، ان میں کچھ امیر ممالک بھی ہیں اور کچھ انتہائی غریب۔ ان میں سے اکثر ممالک سنگین مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ معاشیات کا عدم توازن ہے، سب سے زیادہ جس کے اثرات بے روزگاری، افراط زر، غیر متوازن خسارہ اور زرتبادلہ کے مسلسل انحطاط اور قرضوں کے بھاری بوجھ کی صورت میں ہیں۔

فاضل مصنف نے زیر نظر کتاب میں مروجہ اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام ہائے معیشت کا ناقدانہ تجزیہ کیا ہے۔ آپ نے اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ ان ممالک میں آئے دن جو معاشی بحران پیدا ہوتے ہیں، ان کی بنیادی وجہ ان ممالک کے یہی نظام ہائے معیشت ہیں، لیکن بد قسمتی سے مسلم ممالک بھی انھی کی معاشی پالیسیوں کو اختیار کرتے ہیں۔

دنیا میں ہر ملک معاشی ترقی کی دوڑ میں آگے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے اور ہر ایک کی خواہش ہے کہ ان کو منصفانہ ترقی ملے، لیکن مادی ترقی اخلاقیات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ مسلم ممالک ابھی تک معاشی ترقی میں مغربی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں جس کی اپنی کوئی شناخت نہیں ہے، بلکہ یہ سیکولر اور اشتراکی نظام کی گود میں پروان چڑھی ہے۔ ان حکمت عملیوں پر جتنا ہم عمل کریں گے اتنے ہی ہم مقاصد شریعت سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ مسائل اس وقت تک برقرار رہیں گے جب تک کہ مسلمان اپنے معاشی نظام کی طرف نہیں آتے۔ کتاب کے آخر میں ان مسائل کا حل بیان کرتے ہوئے فاضل مصنف نے اس بات پر زور دیا کہ بہترین حکمت عملی بنانے اور اس پر عمل درآمد کے لیے ملک میں ایک اچھی، مضبوط اور ایمان دار سیاسی قیادت کی ضرورت ہے، اس حوالے سے شیخ حسن البنا (م ۱۳۶۸ھ) کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ انھوں نے حکومت پر دباؤ ڈال کر سماجی و اقتصادی اصلاحات منظور کروائیں۔ اس کے برعکس اگر سیاست دان بد عنوان ہوں تو وہ ہر معاملے میں بد عنوانی کریں گے اور اس مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے۔ اس حوالے سے دینی قیادت کو بھی اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ اس حوالے سے مصنف نے لکھا ہے:

While the role of the political leadership has, general, left much to be desired, even the highly-placed and influential 'ulama' (Religious Scholars) and professionals, who carry considerable clout in the political set-up, have generally failed to play their

role effectively. Instead of being the standardbearers of socio-political reform and of putting their weight behind the moral and material uplift of the masses, quite a few of them have virtually acted as sycophants, often trying to secure for themselves as large a chunk of the national cake as possible.⁽⁵⁹⁾

جب کہ سیاسی قیادت مطلوبہ کردار ادا نہ کر سکی اور علماء اور پیشہ ور ماہرین کا وہ موثر طبقہ جو کہ سیاسی حلقوں میں کافی اثر و رسوخ رکھتے ہیں وہ بھی اپنا کردار ادا کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ سماجی اور سیاسی اصلاحات کا کوئی معیاری ایجنڈا پیش کرتے اور اپنا وزن عوام کی اخلاقی اور مادی حالت کو بہتر بنانے میں ڈالتے، ان میں سے بعض نے تو اپنے مفادات کے حصول کے لیے صرف خوشامدی کا کردار ادا کیا۔

زیر نظر کتاب ڈیولپمنٹ اکنامکس (Development Economic) پر منفرد اور اہم کاوش ہے لیکن زبان نسبتاً مشکل ہے اسے عام قاری کی سہولت کے لیے عام فہم بنانے کی ضرورت ہے بنیادی طور پر یہ کتاب مصنف کے ایک مقالے کی توسیعی شکل ہے جو کہ ۱۹۸۸ء میں مصر میں ہونے والے کانفرنس میں پیش کیا تھا۔

مؤخر ادا نیگیوں پر افراط زر کے اثرات: شرعی نقطہ نظر (۲۰۱۴ء) از ڈاکٹر محی الدین ہاشمی

معاشی نظام میں افراط زر ایک اہم مسئلہ رہا ہے، افراط زر کی بدولت جہاں زر کی قدر گرتی ہے وہاں اشیاء و خدمات کی قیمتوں میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مؤخر ادا نیگیوں پر منفی اثرات کا مرتب ہونا یقینی ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی جو آج ایک لاکھ روپے دو سال کے لیے قرض دیتا ہے تو وہ اس شخص میں مبتلا ہوتا ہے کہ دو سال بعد افراط زر کی وجہ سے روپے کی قوت خرید میں کمی آچکی ہوگی۔ اس وجہ سے وہ قرض دینے سے گریز کرتا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت پاکستان میں سود کے فیصلے کے دوران اس موضوع پر بھی بحث ہوئی۔ علما اور اسلامی معاشیات کے ماہرین نے اس حوالے سے کافی کام کیا اور کچھ حل اور تجاویز پیش کیں جن میں سے ایک طریقہ اشاریہ بندی (Indexation of Loan) بھی ہے۔

زیر نظر کتاب میں افراط زر کے مؤخر ادا نیگیوں پر اثرات اور اشاریہ بندی کی شرعی حیثیت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جہاں اشاریہ بندی کا موضوع اہل علم کے ہاں انتہائی اہم ہے، وہیں یہ اُس قدر پیچیدہ اور اختلافی

59- Muhammad Umar Chapra, *Islam and Economic Development* (Islamabad: Islamic Research Institute, 1993).

نوعیت کا بھی ہے۔ اشاریہ بندی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فاضل مصنف نے اس بارے میں وارد ہونے والے اعتراضات کا علمی اور تحقیقی تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ساتھ ہی اشاریہ بندی کے جواز میں دلائل بھی دیے ہیں۔ کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں کرنسی کی تاریخ، اُس کا استعمال اور اُس سے متعلق اصول و قواعد بیان کرنے کے ساتھ کرنسی کی اقسام، افراط زر اور اس سے ہونے والے نقصان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے باب میں کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے زر حقیقی اور زر اعتباری کا تاریخی اور شرعی جائزہ پیش کیا ہے۔ تیسرے باب میں مصنف نے حقیقی و اعتباری زر کی قدر سے متعلق تغیرات کے حوالے سے فقہی اور اجتہادی آرا کو ذکر کیا ہے۔ چوتھے اور آخری باب میں اشاریہ بندی پر مفصل بحث کی ہے۔

ادائیگیوں کی اشاریہ بندی کے بارے میں فاضل مصنف کی یہ رائے ہے کہ اشاریہ بندی دراصل افراط زر کے مسئلے کا حقیقی و حتمی حل نہیں ہے، بلکہ شرعی نصوص، اصول و کلیات اور مقاصد شریعت کا عمومی تقاضا ہے کہ حکومت قدر زر کے غیر فطری تغیرات کی روک تھام کے لیے مناسب حکمت عملی اور اقدامات کرے اور اس کے استحکام کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھے تاکہ مؤخر حقوق اس سے متاثر نہ ہوں؛ تاہم جب تک یہ ہدف حاصل نہیں ہوتا، تب تک فاضل مصنف کے نزدیک اشاریہ بندی اس کا نعم البدل ہو سکتا ہے۔ مصنف نے اس بارے میں صرف دائن کے حقوق کا خیال رکھا ہے، لیکن اگر وہ اس اہم نکتے کو بھی اپنے تجزیے میں شامل کر لیتے کہ کیا اُس سارے عرصے میں افراط زر کے اثرات صرف دائن پر ہی مرتب ہوتے ہیں یا مدیون بھی اس سے متاثر ہوتا ہے؟ تو یہ تجزیہ قاری کے لیے اور زیادہ مفید ہوتا۔ نیز اس ساری بحث اور پوری کتاب میں افراط زر کا لحاظ کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے قیمتِ صارف کا اشاریہ بھی پیش کیا ہے جس کے اعداد و شمار میں تفریط زر کا رجحان افراط زر کے برابر ہے، لیکن اس کے باوجود تفریط زر کے عنصر کو پوری کتاب میں کسی بھی تجزیے میں شامل نہیں کیا گیا، حالانکہ جس طرح افراط زر ایک تخمینی نظریہ ہے بالکل اُسی طرح تفریط زر بھی ایک امکانی اور تخمینی تصور ہے جسے نظر انداز کرنا موضوع کو جانبِ دارانہ نتائج کی طرف لے جاتا ہے، حالانکہ مصنف خود اس نظام کی جانبِ داریت کا شکوہ بھی کرتے ہیں۔ کیا نظام کی جانبِ داریت کا خمیازہ صرف دائن ہی بھگتتا ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ انسانی معاشی رویوں کی سائنس کو بھی ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا کہ جو انسان ہر قیمت پر افراط زر کا معاوضہ چاہتا ہے، تفریط زر کی صورت میں اُس کا رویہ کیا ہوگا؟ وہی رہے گا یا بدل جائے گا؟ اگر وہی رہے گا تو پھر اشاریہ بندی کے اصول کہاں کھڑے ہوں گے؟ اگر بدل جائے گا تو علمِ معاشیات کے سب سے بنیادی اور اہم مفروضے ”دیگر امور بدستور قائم رہیں تو“ کو کس بنیاد پر باطل قرار دیا جائے گا۔ اگرچہ یہ مفروضہ حقائق کی دنیا کے خلاف ہے، لیکن تجزیاتی دنیا میں تو یہ مفروضہ

انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ افراطِ زر کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے فاضل مصنف یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ افراطِ زر کا ایک سبب اشیا کی رسد میں فطری یا مصنوعی کمی ہے اور مصنوعی کمی کی صورت میں کسی کو ذمے دار بھی نہیں ٹھہراتے، لیکن مدیون پر لازم کرتے ہیں کہ افراطِ زر کی جس چکی میں وہ خود پستارہا ہے، اپنے دین پر اضافی رقم کی صورت میں اپنے دائن کو اُس کا معاوضہ ادا کرے۔

مصنف نے کرنسی نوٹ اور سونے چاندی کی مستقل ذاتی افادیت کے حوالے سے نہایت مؤثر پیرائے میں بحث کی ہے۔ وہ حقیقی اور کاغذی زر میں فرق کی مختلف وجوہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حقیقی زر کی یہ خاصیت ہے کہ یہ اپنی ذاتی قدر (Intrinsic Value) رکھتا ہے، یعنی کسی تعین کا محتاج نہیں ہوتا۔ حقیقی یا خلقی زر کی اس فطری صلاحیت کی بنا پر اس کی قدر کو کالعدم نہیں کیا جاسکتا۔ بالفرض حکومت اس کے زر ہونے کی حیثیت کو ختم بھی کر دے تب بھی اس کی قدر بہ طور جنس برقرار رہے گی، کیوں کہ سونا چاندی اپنی قوت خرید کے علاوہ بھی مستقل افادیت رکھتے ہیں۔ کاغذی زر کی نوعیت اس لحاظ سے حقیقی زر سے بالکل مختلف ہے کہ ذاتی حیثیت میں اس سے نہ پیٹ بھرتا ہے، نہ بدن ڈھکتا ہے اور نہ یہ زیب و زینت کے کام آسکتا ہے۔ اس کرنسی کے قبول عام کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ حکومت اس کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ گویا اس کی قبولیت اور قدر، اعتبار، قانون، طاقت اور رواج پر مبنی ہوتا ہے، یعنی کرنسی نوٹوں کی ذاتی قدر (Intrinsic Value) نہیں ہے۔

فاضل مصنف نے اپنی ساری مباحث میں Time value of Money کے تصور کو Time value of Commodity کے تصور سے خلط ملط کیا ہے، اول الذکر تصور سے لازم آتا ہے کہ آج کا روپیہ کل کے روپے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مستقبل میں زیادہ رقم وصول کی جائے جو کہ اسلام میں ناجائز ہے، جب کہ آخر الذکر تصور کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز جس کی آج ایک خاص قیمت ہے مستقبل میں اُس کی قیمت کچھ اور ہوگی، لہذا اس بنا پر چیز کی قیمت میں بھی تغیر آتا ہے کہ نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی، اور اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے، بشرطے کہ مجلس عقد میں کسی ایک قیمت پر بات طے ہو جائے، لیکن آخر الذکر میں اشیا پر قبضہ کیا جاتا ہے اور اُن پر نقصان کا خطرہ برداشت کیا جاتا ہے، جب کہ اول الذکر میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ وہاں صرف پیسے دیے جاتے ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ ان پیسوں سے کل اتنی چیزیں آتی تھیں اور آج اتنی چیزیں آتی ہیں لہذا آج کے اتنے پیسے گزشتہ کل کے اتنے پیسوں کے برابر ہیں۔ یہ حیلہ سود کا دروازہ کھولتا ہے، اس لیے اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ آخر الذکر تصور یہ لازم کرتا ہے کہ قرض جو عینی چیز دی جائے وہی عینی چیز واپس کی جائے خواہ دینے اور واپس لینے کی قیمتوں میں کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو، لیکن ایک تصور کے موقف کو ثابت

کرنے کے لیے دوسرے تصور کی امثلہ کا سہارا نہیں لیا جاسکتا، جیسا کہ فاضل مصنف نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے کیا ہے۔ فاضل مصنف نے آخری باب میں اپنے موضوع پر ممکنہ اعتراضات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا ہے، جس میں انھوں نے قرآن و سنت اور فقہا کی آرا کی روشنی میں اپنے دلائل دیے ہیں۔

مصنف نے عصری حالات کے تناظر میں ایک اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اس موضوع پر مضمون یا مختصر مباحث تو ملتی ہیں، لیکن کتابی صورت میں یہ کام قابل تحسین ہے۔ اس کتاب کو کسی قطعی اور حتمی فیصلے کے بجائے ایک نقطہ نظر کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ ایک خوب صورت علمی کاوش ہے، جس میں مصنف نے اپنے موقف کو مدلل انداز سے پیش کیا ہے اور مخالف دلائل کا علمی اور تحقیقی انداز میں تجزیہ کیا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے اور امید ہے کہ اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے نئی راہیں کھولے گی۔

حاصل کلام

سود کے استحصالی نظام سے کس طرح نجات حاصل کی جائے اور اس کا متبادل نظام کیا ہے؟ بیسویں صدی کے صف اول کے مسلمان علما نے نہ صرف اس سوال پر غور کیا بلکہ اسلامی نظام معیشت کے خدوخال واضح کرتے ہوئے، معیشت، تجارت، بکاری، اور تکافل پر اسلامی نقطہ نظر سے گراں قدر علمی سرمایہ کا اضافہ بھی کیا۔ اس سلسلے میں بعض علمی اداروں کا کام قابل ستائش ہے جن میں ادارہ تحقیقات اسلامی سب سے نمایاں ہے۔ ادارے نے اسلامی معیشت پر اپنی معیاری کتب کے ذریعے عادلانہ اسلامی معیشت کے خدوخال واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلامی معیشت کی بنیادی مباحث مثلاً وقف، شراکت، مضاربت، بیمہ، سود، رہن، کفالہ، حوالہ، بیع اور موخر ادا نیگیوں پر افراتر کے اثرات جیسے اہم موضوعات کو آج کے کاروباری حالات کے مطابق آسان زبان اور واضح انداز میں اس طرح سمویا گیا ہے کہ یہ کتب طلبہ، ماہرین معاشیات اور عملاً بکاری کرنے والوں کے لیے نہایت کارآمد علمی ذخیرہ کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔ ان مطبوعات میں مختلف نقطہ ہائے نظر ذکر کرنے کے بعد کسی چیز کا جواز یا عدم جواز مدلل انداز میں ذکر کیا گیا ہے اور مخالف نقطہ نظر کے حامل علما پر ٹھوس دلائل کی بنیاد پر نقد کیا گیا ہے۔ بالخصوص سلسلہ مصادر قانون اسلامی کے تحت لکھی گئی کتب میں موضوع سے متعلق فقہی آراء مستند، مسلمہ اور اہل علم میں غیر متنازعہ ہیں کیوں کہ ان میں چاروں فقہی مذاہب کی بنیادی اور مستند کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ موجودہ تناظر میں متعدد مالی معاملات میں درست اسلامی نقطہ نظر کو سمجھنے میں ان کتب سے یقیناً مدد ملے گی۔

ہمارے ملک میں اہل علم و دانش موجود ہیں جو مروجہ بنکاری پر ماہرانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے ہیں لیکن ان میں ایسے اصحاب خال خال ہی ہیں جو اسلامی شریعت کے اصل مآخذ تک براہ راست رسائی رکھتے ہوں اور بد قسمتی سے اردو یا انگریزی میں ایسی معیاری کتابیں مناسب تعداد میں موجود نہیں ہیں جن سے ہمارے ماہرین معاشیات استفادہ کر کے اسلامی کے معاشی نظام سے کما حقہ ماہرانہ واقفیت حاصل کر سکیں۔ یہ امر بہت خوش آئند ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی نے مذکورہ جدید اور معیاری کتب کے ذریعے اس طبقے کی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اسلامی بنکاری نہایت تیز رفتاری سے نہ صرف مسلم ممالک بلکہ غیر مسلم ممالک کے اندر بھی بڑھ رہی ہے جو کہ سودی بنکاری کا ایک متبادل نظام ہے۔ اس نظام کی بنیاد شرکت، مضاربہ، وقف، اجارہ، مزارعہ، سلم، استصناع، بیمہ وغیرہ جیسے اسالیب تمویل پر ہے۔ ان میں سے بیشتر موضوعات پر ادارہ تحقیقات اسلامی کی گراں قدر تالیفات پہلے سے موجود ہیں جن سے بنگلہ سے وابستہ ماہرین استفادہ کر سکتے ہیں۔

